عتیق الرحمٰن صدیقی ایم۔اے

تاریخ آزادی کا ایک نامور مجاھد

حکیم محمد عبدالسّلام ہزاروی

(رکن مجلس شوریٰ دار العلوم حقانیہ)

ہر روز کتنے ہی لوگ مرتے ہیں اور مرکر مٹی میں مل کر مٹی ہو جاتے ہیں۔ مگر کوئی بھی ان کا نام لیوا نہیں ہوتا۔ مگر کچھ لوگ مرکر بھی نہیں مرتے بلکہ انہیں ایک نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔ یہ زندگی انسان کی رفعت و عظمت و تمکنت سے عبارت ہوتی ہے، اور انہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جنہوں نے اپنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو ملک، وملت کی بھلائی میں صرف کیا ہوتا ہے۔ اور اس راہ کی صعوبتوں اور دشواریوں کو صبر و ہمت کے ساتھ برداشت کر کے ایک قابل تقلید مثال کی نیو رکھی ہوتی ہے۔

ہری پور شہر کی ہر یالی بستی کے باسی حکیم محمد عبدالسلام ایسے ہی عظیم لوگوں میں سے ایک تھے، ان کی ستر سالہ زندگی کا ساتواں حصہ آہنی سلاخوں کے پیچھے گذرا، اس سے نہیں کہ ان سے کوئی گناہ سرزد ہوا تھا۔ بلکہ اس بنا پر کہ وہ فرنگی سلطنت کو ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ اور انگریز کے جور و استبداد کے سامنے کبھی بھی جھکنے کے روادار نہ تھے۔ وہ جانتے تھے کہ غلامی میں قوموں کا ضمیر بدل جاتا ہے۔ اس لئے آزادی کی نیلم پری کے حصول کے لئے سرگرم عمل ہونا ضروری ہے۔

مولانا حکیم محمد عبدالسلام ہری پور سے تین میل دور ایک گاؤں میر پور میں پیدا ہوئے، ان کے والد مولانا محمد دین جیّد عالم عالمِ دین اور مجاہد صفت بزرگ تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی ابھی چھوٹے ہی تھے کہ والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اس لئے تعلیم کے حصول کی خاطر گھر سے باہر نکل کھڑے ہوئے۔ مختلف دینی کتابیں پڑھنے کے بعد علم طب کی تکمیل کے بعد ۱۹۲۷ء میں مطب کا آغاز کیا، اور اس سال ان کے مطب میں کانگریس کمیٹی کی بنیاد رکھی۔ ۱۹۲۸ء میں انہیں ڈسٹرکٹ کانگریس کمیٹی کا صدر منتخب کر لیا گیا۔ حکیم صاحب مرحوم اپنی متحرک شخصیت کے باعث جلد ہی ممتاز مقام پر فائز نظر آئے وہ سرحد کانگریس کمیٹی کے صدر اور آل انڈیا کانگریس کی مجلس عاملہ کے رکن چن لئے گئے وہ کئی بار گرفتار کئے گئے۔

۱۹۲۹ء میں انہیں اس لئے پابندِ سلاسل کیا گیا کہ انہوں نے سوبھاش چندر بوس کو ملک سے فرار ہونے میں مدد دی ہے۔ چنانچہ انہیں ساڑھے تین سال کے لئے دیولی کیمپ (راجپوتانہ) میں نظر بند کر دیا گیا۔ اور رہائی کے بعد تین سال تک ہری پور میں پابندِ مسکن رکھا گیا۔

حکیم صاحب نے طبع سلیم پائی تھی۔ اس لئے انہوں نے کچھ عرصہ بعد کانگرس کی پالیسی کے خلاف احتجاجاً استعفیٰ دیدیا۔ اور مجلس احرار اسلام سے منسلک ہو گئے، اور عرصہ تک مجلس احرارِ اسلام کے صوبائی صدر رہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہو گئے۔ اور ۱۹۵۱ء کے صوبائی انتخابات میں مسلم لیگی امیدوار کی حیثیت سے حصہ لیا۔ مگر برسرِ اقتدار طبقہ کی گڈ بک میں نہ ہونے کی بنا پر کامیاب نہ ہو سکے۔

حکیم صاحب ایک زیرک اور فہیم سیاست دان تھے۔ عیاری و مکاری سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا، اس لئے انہوں نے ایسی سیاست سے اپنا دامن بچایا جو مکر و فریب اور سیہ کاری سے عبارت ہو۔ انہوں نے سکوت میں عافیت سمجھی، مگر ان کی حساس طبیعت انہیں کب چین سے رہنے دیتی تھی۔ اس لئے وہ خدمتِ اسلام کی خاطر علمائے حق سے وابستہ رہ کر کام کرتے رہے۔ چنانچہ وفات سے قبل وہ جمعیت علمائے اسلام ہزارہ ڈویژن کے امیر تھے۔ اپنی صداقت فراست کی بدولت طبی دنیا میں انہیں منفرد مقام حاصل رہا وہ ۱۹۵۸ء میں گورنمنٹ طبی بورڈ کے ممبر نامزد ہوئے اور ۱۹۶۵ء میں دوبارہ قرعۂ فال ان ہی کے نام پڑا۔ اور حکومت نے انہیں ممبر نامزد کر لیا۔ تیسری بار انہوں نے اطبا کی مقبول جماعت پاکستان طبی کانفرنس کے ٹکٹ پر انتخاب لڑا اور تقریباً اٹھارہ ہزار ووٹ لے کر بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے وہ اپنی طبی صلاحیتوں اور جاذبِ نظر شخصیت کی بدولت مرجع خاص و عام رہے۔ دور دور سے لوگ ان کے مطب میں حاضر ہوتے اور فیض حاصل کرتے تھے۔

حکیم صاحب متنوع اور بوقلموں صفات کے حامل تھے۔ سیاسیین کے حلقہ میں بالغ نظر سیاستدان کی طرح سیاست کے اسرار و رموز بیان فرماتے۔ علماء کی مجلس میں دینی مسائل کی گتھیاں سلجھاتے۔ طبیبوں میں تشخیص و تجویز کے مراحل سے گزرتے زمینداروں سے زمین کے مسائل پر ایک زمیندار کی طرح گفتگو کرتے صوفیاء میں سلوک کی منزلیں طے کرتے ہوئے دکھائی دیتے۔ اور عام لوگوں سے ان کے مزاج کے مطابق گفتگو کرتے حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں انجمن تھے۔ ان میں اتنی خوبیاں تھیں کہ اپنے بیگانے بڑے چھوٹے امیر و غریب سبھی انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے وہ نہایت ہی پرشکوہ اور وجیہہ شخصیت کے مالک تھے، ان کے خوبصورت چہرے پر مسکراہٹ بکھری ہوتی تھی، وہ ماتھے

پر جینٹ ڈال کر بات کرنے کے عادی نہ تھے۔ بلکہ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے۔ ان کے طنز میں لطیف سی چبھن ہوتی۔ اور ظرافت میں مزے کی چاشنی، وہ بات سے بات پیدا کر لیتے۔ وہ دوستوں کے دوست تو تھے۔ مگر دشمنوں کے بھی دوست تھے۔ وہ اپنے مخالف کو جانتے ہوئے بھی اس کا احترام کرتے اور کسی کی یاوہ گوئی کو خاطر میں نہ لاتے۔ وہ دستر خوان کشادہ رکھتے تھے۔ یہاں تک کہ اکیلے دستر خوان پہ بیٹھنے کے عادی نہ تھے۔ سیاسی لیڈروں کی آمد ہوتی یا علماء کی مجلسیں ہوتیں سبھی لوگ حکیم صاحب کے دولت کدہ پہ جمع ہوتے۔

حکیم صاحب صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔ ان کا یہ معمول تھا کہ صبح سویرے اٹھتے۔ نماز پڑھنے کے بعد دیر تک تسبیح پڑھنے میں مصروف رہتے وہ باقاعدگی سے قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تھے۔ اور مختلف تفاسیر زیرِ مطالعہ رکھتے تھے۔ گھر کے کام کاج کرنے میں کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے، وہ دن بھر مطب میں رہتے اور شام کو دکان بند کر کے گھر آجاتے تھے۔ سونے سے پہلے اخبارات و رسائل اور کتابوں کا مطالعہ جاری رکھتے تھے۔ وہ بزرگوں کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور چھوٹوں سے شفقت و پیار سے پیش آتے تھے۔ وہ اپنے کردار کی بلندی اور بے داغ سیاسی ماضی کی بدولت حکمرانوں کے ہاں بھی احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے تھے۔ مگر حکیم صاحب اپنی ذات اور اپنے خاندان کیلئے کوئی فائدہ حاصل کرنے کے روادار نہ تھے۔ اور خودی کی میں مصطفائی کے متلاشی تھے۔ خوشامد اور کاسہ لیسی سے ان کو دور کا بھی واسطہ نہ تھا۔ وہ عزتِ نفس کے محافظ تھے۔ اور آخری دم تک بہ تمام وکمال انہوں نے عزتِ نفس کی پاسبانی کی۔ وہ اپنے نظریات اور افکار و خیالات میں نہایت پختہ تھے۔ اور کبھی کوئی مال جاہ انہیں اپنے نظریات سے سرکا نہ سکتا تھا، اور نہ کبھی اقتدار کا جبروت انہیں مصلحت کوش بنانے میں کامیاب ہو سکا۔ وہ ایسے قلندر تھے جن کا سرمایہ بجز لا الٰہ کچھ بھی نہ تھا۔ ان کے مطب میں ہر وقت چہل پہل رہتی تھی، اور یہ جسمانی مریضوں کا ہی دارالشفاء نہ تھا۔ بلکہ سیاسی مریضوں کے لئے بھی عافیت کدہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ بیسویں صدی کے متعدد عظیم علماء اور سیاسی رہنما ہری پور تشریف لائے اور انہیں حکیم صاحب کے دارالشفاء میں چین نصیب ہوا۔

عید الاضحیٰ کے دوسرے روز حکیم صاحب کی طبیعت خراب ہوئی اور وہ صاحبِ فراش ہو گئے۔ دوائیں دی جاتی رہیں۔ مگر حکیم صاحب کی طبیعت بگڑتی چلی گئی اور ۲۲ جنوری کو رات گیارہ بجے انہوں نے اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ حکیم صاحب کی وفات کی خبر سے فضا میں ایک سکتہ طاری ہو گیا۔ ہری پور کی تمام بستی افسردہ اور غمگین ہو گئی، چہرے اداس ہو گئے، طبیعتیں مضمحل اور آنکھیں اشکبار آنکھیں رندھی ہوئی تھیں اور آہوں کا ایک دھواں تھا جس سے فضا رچی بسی تھی۔ اور حکیم صاحب کا چہرہ تھا کہ ایمان کے نور سے جگمگا رہا تھا۔ اسی عالم میں ایک جسدِ خاکی کو دفن کر دیا گیا۔ اور برصغیر کی جدوجہد آزادی کا ایک چلتا پھرتا باب کتابِ برزخ سے جوڑ دیا گیا۔ ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را ⁂